مطبوعات مجلس
۹۰

سلسلہ نمبر (۴)

دو انسانی چہرے

قرآنی مرقع میں

ثبات و استقامت ــــــــ تردد و تذبذب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

بار چہارم

سنہ ۱۴۰۰ھ سنہ ۱۹۸۰ء

کتابت ________ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ________ نامی پریس لکھنؤ

قیمت ________

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دار العلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ

یہ تقریر ۵؍صفر المظفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۴؍مارچ ۱۹۷۲ء بعد نماز جمعہ جامع مسجد بمبئی میں کی گئی۔ اب نظر ثانی اور معمولی حذف و اضافے کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔

(سکریٹری مجلس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ
إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ
هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ
نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا
لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝
هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ
دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ
عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ

(اے پیغمبر!) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک
تیرے آگے بیان کردیتے ہیں، وہ چند نوجوان
تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے
انھیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کردیا اور
ان کے دلوں کی (صبر واستقامت میں)
بندش کردی، وہ جب راہِ حق میں کھڑے
ہوئے تو انھوں نے صاف صاف کہدیا
ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین
کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی اور
معبود کو پکارنے والے نہیں، اگر ہم ایسا
کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی،

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۞

(سورۃ الکہف ۱ تا ۵)

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، جو اللہ کے سوا دوسرے
معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں، وہ اگر معبود ہیں
تو کیوں اس کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے
(ان کے پاس کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے
بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے، جو اللہ پر جھوٹ
کہہ کر بہتان باندھے۔

حضرات!

میں نے آپ کے سامنے سورہ کہف کے ابتدا کی تین آیتیں پڑھی ہیں، جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتیں (اور بعض حدیثوں میں آخری آیتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض حدیثوں میں مطلق سورہ کہف کا تذکرہ ہے) پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ دجال قرب قیامت اور آخر زمانے کی وہ سب سے بڑی جادوگر اور فتنہ سامان شخصیت ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ پناہ مانگی ہے اور اپنی امت کو اس سے ڈرایا اور ہوشیار کیا ہے، آج بھی جمعہ کا دن ہے، اس موقعہ پر ان آیات کا پڑھنا اور ان کے مضامین و مطالب پر غور کرنا اور ان کا مذاکرہ نہایت مناسب اور مفید ہوگا، آیئے! تھوڑی دیر ان آیات کے معانی و مطالب پر غور کریں اور دیکھیں کہ ان سورہ کے مضامین اور دجال کے فتنے میں کیا مناسبت ہے اور ہمیں اس سے

حفاظت کا کیا راز پوشیدہ ہے؟

دجال کی دو بڑی خصوصیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے زمانے میں قوت و دولت کی پرستش کا سب سے بڑا داعی ہوگا اور وہ اس کی علامت (SYMBOL) بن جائے گا، دوسرے یہ کہ وہ چیزوں کو اس طرح دکھائے گا کہ ان کی حقیقت کچھ ہوگی اور وہ نظر آئیں گی کچھ، ان کے ظاہر و باطن اور ان کی صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، عربی میں "دجل و تدجیل" کے معنی ملمع سازی اور نظر فریبی کے ہیں، رانگے پر ملمع کر دیا جائے اور وہ چاندی نظر آئے، تانبے پر سونے کا پانی چڑھا دیا جائے اور وہ کھرا سونا معلوم ہونے لگے یہی "تدجیل" ہے، سورہ کہف میں ایک واقعہ ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے، جنھوں نے وقت کے اقتدار، دولت و طاقت، شان و شوکت اور عزت و عظمت کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور اصول کو مفادات پر، ضمیر کو نفس پر، دل کی آواز کو ماحول کی دعوت و ترغیبات پر اور ایمان کی حفاظت کو جان کی حفاظت پر ترجیح دی اور اپنے عقیدے و مسلک پر آخر دم تک ثابت قدم رہے، یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے، دوسرا واقعہ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا ہے، جس میں اشیاء کے ظاہر و باطن اور واقعات کے آغاز و انجام میں زمین آسمان کا فرق تھا، ظاہر کا فیصلہ کچھ تھا اور باطن کا فیصلہ کچھ، واقعات کا آغاز کسی طرح ہوتا تھا اور ان کا انجام کسی اور طرح، اس طرح یہ سورہ اپنے اہم ترین مضامین و واقعات کے ذریعہ دجالیت کی روح اور اس کی بنیادوں پر ضرب کاری لگاتی ہے، آیئے اس وقت اصحاب کہف کے قصے پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اس سے اس زمانے میں

کیا پیغام ملتا ہے؟

رومیوں کی حکومت کا دور تھا اور ان کی سلطنت رومۃ الکبریٰ قلب یورپ سے ایشیائے کوچک اور شام کے آخری حدود تک تھی، اس عظیم سلطنت میں جو آدھی دنیا پر حکومت کرتی تھی، علاوہ جس کا ڈنکا یورپ سے لیکر ایشیا تک بجتا تھا بت پرستی اور مشرکانہ عقیدہ اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ گیا تھا، زندگی اور تمدن کا کوئی شعبہ اس کے اثر سے آزاد نہ تھا، ساری زندگی بت پرستی اور اصنام پرستی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی، تمدن و تہذیب، حکمت و فلسفہ، ادب و شاعری، فن تعمیر اور فنون لطیفہ (FINEARTS) سب پر اس کی گہری چھاپ تھی۔ جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں بت تراشی اور مجسمہ سازی کی صنعت بہت ترقی کر گئی تھی، اور رومیوں نے اس میں بڑا نام پیدا کیا تھا، رومی جیسے بت تراش اور مجسمہ ساز دنیا میں کم پیدا ہوئے ہوں گے انھوں نے ایسے ایسے مجسمے بنائے ہیں، کہ ان پر زندہ انسانوں کا دھوکہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب بولے تب بولے۔ جنھوں نے روم (ROME) کی سیر کی ہے وہ ان مجسموں کے سامنے محو حیرت بن کر رہ جاتے ہیں، ان کی اتنی کثرت ہے کہ ایک صحیح الفطرت انسان کو متلی آنے لگتی ہے، بعینہٖ یہی حالت میری ٹکسلا کے ان تاریخی شہروں کی سیر میں ہوئی جو ایک ایک ہزار، دو دو ہزار سال قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں، اور ان کو کھدائی کرکے ٹیلے کے نیچے سے برآمد کیا گیا ہے، وہاں بھی گوتم بدھ کے مجسمے اسی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اسی عظیم سلطنت کے مشرقی حصے میں اب جہاں ترکی کا ملک ہے، ایک شہر "افیسس"[1] (EPHESUS) نامی تھا، جو اپنے ڈیانا دیوی کی مندر کی وجہ سے ساری دنیا میں شہرت رکھتا تھا، اور مندر اب بھی دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے اس شہر میں بت پرستی اور نفس پرستی اپنے آخری حدود تک پہونچ گئی تھی، ایک طرف تو عریاں طور پر بت پرستی ہوتی تھی دوسری طرف کھلے طور پر نفس پرستی اور شہوانیت کا دور دورہ تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، اکثر نفس پرستی اور شہوانیت نے بت پرستی کے سایے میں ترقی کی ہے اس کے لئے بت پرستی کا فلسفہ جو ایک محدود جگہ اور محدود وقت میں اپنے جذبۂ عبودیت اور فروتنی کے اظہار کے بعد ہر ضابطے اور قانون سے آزاد کر دیتا ہے، اور جس میں خدا کے حاضر و ناظر ہونیکا کوئی عقیدہ نہیں پایا جاتا، آزاد نفس پرستی اور شتر بے مہار کی جیسی زندگی گذارنے کیلئے بہت سازگار ثابت ہوا ہے، یہی نقشہ ہم کو قدیم ہندوستان میں نظر آتا ہے اور یہی علم و حکمت کے مرکز یونان میں، اسی زمانے میں ملک شام میں جو رومی سلطنت کا ایک مشرقی صوبہ تھا، خدا کے پیغمبر حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے اور انھوں نے توحید خالص اور سچی خدا پرستی کی دعوت دی، ان کی دعوت نے جادو کا اثر کیا، یہ اثر ان کے حواریوں اور مبلغوں میں بھی آیا اور وہ شام سے نکل کر یورپ تک پہونچے، جو لوگ ان کی باتیں سنتے تھے، وہ انھیں کا کلمہ پڑھنے لگتے تھے اور ان کے دل کی دنیا

---

[1] یہ مقام ترکی کے مشہور شہر [illegible] کے قریب واقع ہے۔

بدل جاتی تھی، افیسس شہر کے سات نوجوانوں نے بھی ان کی دعوت قبول کی یہ امرائے دربار اور ارکین سلطنت کے بیٹے تھے، اور بڑے معززاور دولت مند گھرانوں کے چشم و چراغ، انھوں نے بت پرستی اور نفس پرستی کی راہ چھوڑ کر خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا اور ان کو کچھ اور ہی دھن لگ گئی، اب ان کو بت پرستی اور نفس پرستی ایسی مکروہ معلوم ہونے لگی کہ اس سے ان کو گھن آنے لگی، قرآن کہتا ہے:۔ "اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ"...... (وہ چند جواں مرد تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا) اور یہی سنت اللہ ہے کہ آدمی پہلے اپنے عزم و فیصلے سے کام لے، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے، پہلا قدم آدمی کو اٹھانا پڑتا ہے، اور یہ قدم اکثر جان پر کھیل کر اٹھایا جاتا ہے، یہیں عزم و ہمت اور دل و جگر کا امتحان ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوا آگے کے سب امتحانات اس کے لئے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔

اب ان کے سامنے وہ مرحلہ آیا جو ایمانی دعوت قبول کرنے والوں کو ہمیشہ پیش آتا رہا ہے، ان کے سرپرستوں اور ان کے ہمدردوں، ان کے بزرگوں اور ان کے دوستوں نے اور ان کے رفقاء اور ان کے احباب نے حق نصیحت ادا کر دیا اور ان کو زمانے کے نشیب و فراز سمجھائے اور سرد و گرم سے آگاہ کیا، انھوں نے ان کو بڑی دلسوزی اور دردمندی سے نصیحت کی اور دنیا کے تمام عقلاء اور دانشمندوں کی طرح نرمی و سختی، ترغیب و ترہیب سے کام لیا۔ انھوں نے کہا کہ

تم نے بڑا خطرناک کھیل شروع کیا ہے، تم بڑے ہونہار نوجوان ہو تم سے تمہارے خاندان کی، تمہارے بہی خواہوں کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں کہ تم اپنے اپنے خاندان کا نام روشن کروگے، سرکار دربار میں اونچی سے اونچی کرسی تم کو مل سکتی ہے، حکومت کا بڑے سے بڑا عہدہ اور شہر کا بڑے سے بڑا اعزاز تمہارا منتظر ہے، تم اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہو اور جس شاخ پر تمہارا نشیمن ہے اس پر تیشہ چلا رہے ہو، عزیزو! تم اپنا مستقبل کیوں تاریک بنا رہے ہو؟ اور اپنی قسمت پر اپنے ہاتھوں سے کیوں مہر لگا رہے ہو؟

اس موقعہ پر بے اختیار حضرت صالحؑ اور ان کی قوم (ثمود) کا مکالمہ یاد آگیا ماضی وحال میں ہمیشہ مشابہت رہی ہے، اور انسان کی فطرت ہمیشہ سے ایک ہی ہے حضرت صالح علیہ السلام نے جب توحید اور ایمان و عمل صالح کی دعوت شروع کی تو ان کی قوم کے بزرگوں اور فرزانوں نے ان کو اسی ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ سمجھایا، انھوں نے کیسی معصومیت اور کس درد کے ساتھ کہا۔

يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا (سورہ ہود۔ ٦٢)

اے صالح تم تو بڑے ہونہار تھے اور تم سے تو ہماری ..... بڑی توقعات وابستہ تھیں۔

ہمیں یقین تھا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے خاندان کے دن پھریں گے، اور اس کو سربلندی اور عزت حاصل ہوگی، تم یہ کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے، اور تم نے یہ کیا جھگڑا

شروع کر دیا، یہ توحید ہے اور یہ شرک، یہ کفر ہے اور یہ ایمان، یہ خبیث ہے اور یہ طیب، یہ حلال ہے اور یہ حرام، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز، تمہیں ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال سے کیا مطلب۔

أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ (سورہ ہود۔۶۲)

کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کے وقت سے چلی آرہی ہے اور ہم تو تمہاری دعوت کی طرف سے بڑے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں

جب ان موحّد نوجوانوں پر جن کی تعداد قرآن مجید کے طرز بیان سے سات معلوم ہوتی ہے اس ناصحانہ اور دانشمندانہ گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوا تو ان ناصحوں اور دانشمندوں نے دوسرا لہجہ اختیار کیا اور کہا کہ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں، اگر اپنا عقیدہ عزیز ہے تو زندگی سے ہاتھ دھو لو اور اگر زندگی عزیز ہے تو اس عقیدے سے دستبردار ہو جاؤ، انھوں نے کہا کہ ہم زندگی سے سو بار ہاتھ دھو لینے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس عقیدے سے توبہ کرنے کے لئے ایک بار بھی تیار نہیں انھوں نے اس موقعہ پر جو الفاظ استعمال کئے وہ بڑے معنی خیز، عمیق اور وسیع ہیں ان کے شہر اور زمانے کے فرزانوں نے ہر بات میں زندگی کی ضروریات، مستقبل کی توقعات، کامیابی کے امکانات، پرورش کے ذرائع، منصب و عہدہ، اور روزی

اور معاش کا حوالہ دیا تھا۔ یہ عقیدہ نہ چھوڑو گے، اور بتے ہوئے دھارے کے ساتھ نہ بہو گے تو نوکری نہ ملے گی، عہدہ نہیں ملے گا، نوکری نہ ملے گی تو کھاؤ گے کیسا ہے؟ کھاؤ گے نہیں تو زندہ کیسے رہو گے؟ گویا سب پرورش اور پروردگار کا مسئلہ تھا پرورش کہاں سے ہوگی؟ پالنے والا، رزق دینے والا کون؟ انھوں نے اپنے اعلان میں اس کا فیصلہ کر دیا" اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (جبکہ وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اعلان کیا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے) گویا انھوں نے اعلان کیا کہ" ہم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور پالیا" اب سامان پرورش اور پروردگار کی کوئی پریشانی نہیں، پھر ہم نے جس کو اپنا پروردگار مانا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، سامان پرورش کا تعلق انھیں دونوں چیزوں سے ہے، یا آسمان سے یا زمین سے اور جس کے قبضۂ قدرت میں یہ دونوں ہیں، اس کے یہاں سامانِ پرورش کی کیا کمی؟ اور جو سات آسمانوں کو اور زمین کو تھامے ہوئے ہے، اور ان کو ان کا رزق پہونچا رہا ہے، کیا وہ سات انسانوں کو پالنے سے عاجز ہے؟

حضرات!

سارا جھگڑا" ربوبیت کا ہے" الوہیت" کا نہیں۔ خدا کی الوہیت بڑے سے بڑے منکروں اور مشرکوں کو تسلیم ہے۔" وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ یَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ" ساری کشمکش، انتخاب کا معرکہ اور ترجیح و اختیار کا امتحان ربوبیت ہی کے بارے میں ہے، اور اسی کا زندگی کے ہر مرحلے سے تعلق ہے جس نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا اور ایک مرتبہ اپنے پالنے والے کو پہچان لیا پھر اس کے لئے کوئی امتحان اور کوئی معرکہ نہیں، اسی لئے فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (سورہ حم السجدہ آیت ۳۰)	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔

اور شاید اسی لئے ان سات نوجوانوں کے تعارف میں سب سے پہلے اپنی اسی صفت ربوبیت پر ایمان لانے کا تذکرہ کیا فرمایا "اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّہِمْ" "اٰمَنُوْا بِاِلٰھِھِمْ" نہیں کہا گیا۔

اب جب ان ہمدردوں کی یہ منطق ناکام رہی تو انھوں نے ایک دوسری منطق اپنائی، انھوں نے کہا کسی مسئلہ کی صداقت کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ہونا چاہیے، بڑا معیار یہ ہے کہ جو حکومت کی کرسیوں پر فائز ہیں، جن کا ملک میں حکم چلتا ہے، اور ایسے اقبال مند اور قسمت کے دھنی ہیں کہ مٹی پہ ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے اور جو ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس کی قسمت جاگ اٹھے،

ان کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اب تم دیکھو کہ رومۃ الکبریٰ کے شہنشاہ اعظم اور اس کے وزیروں اور نائبوں اور جو ان کی طرف سے اس شہر میں حکومت کر رہے ہیں، ان کا مذہب و عقیدہ کیا ہے؟ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان دیوتاؤں اور دیویوں کے پرستار ہیں، جن کے تم منکر ہو، اب ہم ان کامیاب اور اقبال مند انسانوں کے عقیدے اور مذہب کو تسلیم کریں یا تم چند خفیف العقل خام عمر اور جذباتی انسانوں کے مذہب و عقیدے کو جو ہر عزت و طاقت سے محروم ہیں، یہی وہ پرانی منطق ہے، جس سے بہت سی گزشتہ قوموں نے کام لیا اور اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا۔

أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ (سورہ شعراء-۱۱۱)

کیا ہم تمہاری بات مانیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے سب ماننے والے پست خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں انھوں نے کہا۔

وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ۔ (سورہ ہود-۲۷)

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہ لوگ ہیں، جو ہم میں ادنیٰ درجہ کے ہیں اور انھوں نے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی۔

ان عقل مندوں کا ایک فلسفہ یہ بھی تھا کہ کسی چیز کے خیر ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ عمائدِ شہر اور معززین کے یہاں پہلے نظر آئے انھوں نے کہا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝ (سورہ احقاف ۱۱)	اور منکروں نے مومنوں سے کہا کہ اگر یہ دین کچھ بہتر ہوتا تو یہ غریب مومن اسیں ہم سے بازی نہ لے جاتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ موسم کا پہلا پھل اور بازار کا سب سے اچھا میوہ، کپڑے کی سب سے اچھی ڈیزائن، نئی ایجادات وسامان کا سب سے آخری ماڈل پہلے اسی طبقے کے پاس آتا ہے، اور کبھی انھوں نے اس طرح اپنے تعجب کا اظہار کیا کہ۔

اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔	کیا اللہ کو اپنی ہدایت اور انعام کے لئے ہم لوگوں میں یہی گدائے بینوا اور فقیر بے سروسامان ملے تھے۔

افیسس کے موحّد نوجوانوں نے اس منطق کی صداقت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم ان حکام اور امراء کو اور ان درباری بالانشینوں کو معیار ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کس چیز میں؟ کھانے کے ذوق میں، لباس کی تراش خراش میں، فن تعمیر میں، ہم ان کی خوش مذاقی اور صحیح الدماغی کو تسلیم کرتے ہیں،

ان چیزوں میں وہ جس کو اچھا کہتے ہیں اچھا ہے، اور جس کو ناپسند کریں وہ ناپسندیدہ ہے، لیکن ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ عقیدہ اور مذہب میں، اخلاق و اصول اور صواب و ناصواب کے بارے میں یہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے اخلاق اور انسانیت کے میدان میں ان کو بہت پست پایا ہے۔ انھوں نے اپنی ایک ادنی خواہش اور نفس کے معمولی تقاضے کی تکمیل کے لئے بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی ہیں اور شہر کے شہر بے چراغ کر دیئے ہیں، ان کو ایک بیوہ کے سر کا ڈوپٹہ اور ایک مفلس کے گھر کا توا اور ایک یتیم کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھین لینے میں عار نہیں آتا ہے، باقی اگر آپ حکومت کا نام لیکر ہم کو ڈراتے ہیں، اور بار بار حکومت کی کرسی اور سلطنت کے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ہم نے اس کی بے ثباتی اور بے وفائی کا خوب تماشا دیکھا ہے، ایسی فانی چیز کو دائمی صداقت کا جس کو زوال نہیں معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، جو خدا حکومت دیتا ہے، وہی جب چاہے چھین بھی سکتا ہے، اگر کوئی بزرگ بچے کو کھلونا دیتا ہے تو اس سے لے بھی سکتا ہے، بچے کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کھلونا ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گا اور اس سے لے کر کسی کو دیا نہیں جا سکے گا۔

یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن شریف کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ	کہہ کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے
مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ	مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشدے
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ	اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور

بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورہ آل عمران ۲۶)

جسکو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے،

آخر ان دانشمندوں کی ساری دلیلیں ناکام گئیں اور وہ جوانمرد اپنے عقیدے پر قائم رہے، اس زمانے میں شہنشاہ روم کا دورہ ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ شہر میں سات سر پھرے نوجوان ہیں، جو ہمارے ہی نمک خواروں اور درباریوں کے نور نظر ہیں، انھوں نے اپنے بزرگوں کی بھی بات نہیں مانی ہے، اس نے حکم دیا کہ ان نوجوانوں کو فلاں مندر میں چڑھاوا چڑھانے پر مجبور کیا جائے اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کو سزائے موت دی جائے، ان نوجوانوں نے اس سے انکار کر دیا اور مشورہ کرکے قریب کے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی اور اپنا ایمان بچانے کا سامان کر لیا، بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے غار کا مونہہ تیغا کر دیا کہ وہ گھٹ گھٹ کر مر جائیں لیکن خدا نے ان کو میٹھی نیند سلا دیا اور تین سو نو سال تک ان پر نیند طاری رہی ———•

اس عرصے میں ملک روم میں انقلاب عظیم آگیا، رومی شہنشاہ نے عیسائیت قبول کی اور وہ اس کا سرپرست وحامی اور پر جوش مبلغ وداعی بن گیا، پھر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو بیدار کیا، ان کا ایک فرستادہ شہر میں آیا تو دیکھا کہ دنیا بدل چکی ہے، عیسائیت اب سرکاری مذہب ہے اور جو جرم گردن زدنی اور کشتنی تھا

اب وہ بڑی عزت اور فخر کی چیز بن گئی، کل کے معتوب آج کے محبوب اور کل کے مجرم آج کے ہیرو ہیں، چنانچہ اس طرح ان کی فراست صحیح نکلی اور ان "دانشمندوں" کی ذہانت جو تصویر کے اوپر کا رخ دیکھتی تھی ناکام ثابت ہوئی۔

حضرات!

قرآن شریف نے یہ قصہ محض تاریخی واقعہ یا دلچسپ داستان کے طور پر نہیں سنایا ہے، بلکہ اس لئے اس کو قرآن مجید میں جگہ دی گئی ہے کہ یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے، اور ہر وقت اور ہر جگہ پیش آسکتا ہے، مکہ کے مسلمان بھی اس تجربے سے گذرے، دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس تجربے سے گذر سکتے ہیں، صرف ایمان و یقین، صبر و استقامت، اور ایثار و قربانی شرط ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔	جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے، خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا

(سورہ یوسف ۹۰)

قرآن ایک زندہ جاوید اور عالم گیر کتاب ہے اس میں ہر عہد اور ہر نسل اور ہر حالت کے لئے رہنمائی ہے، انسانی سیرت اور انسانی نفسیات کا ایک نمونہ وہ تھا جو اوپر گذرا۔ اب دوسرا نمونہ اسی قرآن حکیم میں دیکھئے یہ اس کے بالکل بالمقابل دوسرا کردار ہے، قرآن شریف کی زبان سے سنئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ﹰاطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ﹰانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

(سورۃ الحج ۱۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے) ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچے تو اسکے سبب مطمئن ہو جائیں، اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں (یعنی پھر کافر ہو جائیں) انھوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصان صریح ہے۔

یہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی تصویر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے، یہ آیت کیا ہے؟ ایک مستقل معجزہ، یہ فرد کی بھی تصویر ہے اور جماعتوں کی بھی، قوموں اور ملتوں کی بھی، عربی میں "من" کا اطلاق فرد اور جماعت سب پر ہوتا ہے، لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں، جو خدا کی بندگی کرتے ہیں بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر بندگی کرتے ہیں ہمکا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خالی نماز پڑھتے ہیں، اور عبادت کرتے ہیں، اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری اور اسلامی احکام کی پابندی عین سرحدی لکیر پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں، جو اسلام و جاہلیت اور کفر و ایمان کے درمیان کھینچی گئی ہے، علیٰ حرف کی بلاغت ملاحظہ ہو، اس صورت حال کی اگر کیمرے سے بھی تصویر لی جائے اور بڑے سے بڑا مصور اور نقاش بھی اس کی تصویر کشی کرے تو ایسی بولتی ہوئی

تصویر نہیں کھینچ سکتا، ان کی دوربینی اور اضیاء کی پوری تصویر اس چھوٹے سے جملے میں آگئی، وہ ایسی جگہ کھڑے ہوتے ہیں، جہاں سے ان کے لئے دوسرے محاذ پر منتقل ہوجانا، ایک منطقہ سے دوسرے منطقہ پر پہونچ جانا ہر وقت ممکن رہے اور اس میں ذرا بھی دیر نہ لگے، وہ جما کر پاؤں بھی نہیں رکھتے کہ اٹھانے میں کچھ دیر لگے وہ پھول کی طرح پاؤں رکھتے ہیں کہ ہوا کے ایک جھونکے میں اور حالات میں ادنی سی تبدیلی واقع ہونے پر وہ دوسری جگہ کھڑے نظر آئیں، ان کا ہاتھ زمانے کی نبض پر رہتا ہے، اور ان کی دوربین نگاہیں حکومت، سوسائٹی اور وقت کے اقتدار کے چشم و ابرو کے اشارے کو دیکھتی رہتی ہیں، ان کا دماغ سود و زیاں اور نفع نقصان کے موازنے سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں ہوتا، اگر زمانہ ان کے موقف و مسلک اور ان کے مقام و محل کے مطابق ہوتا ہے تو ان سے بڑھ کر اپنے مسلک کا پرجوش وکیل اور اس کی خدمت میں منہمک کوئی نظر نہیں آتا اور وہ پورے سکون قلب اور اعتماد نفس کے ساتھ اپنا کام کرتے رہتے ہیں "فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ" اور اگر حالات ذرا بھی ناسازگار ہوتے ہیں، اور وہ حکومت کے سوسائٹی اور عوام کے تیور بدلے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ فوراً اپنا مسلک تبدیل کر دیتے ہیں، اور پہلے مسلک کی "تہمت" سے بھی بچتے ہیں۔ ان کو اپنی وضع قطع، اپنے عقائد و خیالات اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنی زبان و کلچر بلکہ اپنی قومیت کو بھی تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی، اس ابن الوقت گروہ کو دیکھ کر یہ آیت جس طرح سمجھ میں آتی ہے

اور اس کی بلاغت واعجاز جس طرح نمایاں ہوتا ہے، وہ بڑی سی بڑی تفسیر سے اس طرح نمایاں نہیں ہوتا خطرے اور شبہہ سے بچنے کے لئے اس ابن الوقت گروہ کے انتظامات اور اس کی احتیاط دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جب شعائر اسلامی کے اظہار سے کوئی مادی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا وہ دولت ووجاہت کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے، یا حکومت واقتدار اس کے بغیر نہیں مل سکتا تو شعائر اسلامی کا ان سے زیادہ اظہار کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر ان کے اظہار میں ادنیٰ درجہ کا خطرہ متصور ہوتا ہے یا اس کی وجہ سے کم سے کم ادنیٰ درجہ کی قربانی دینی پڑتی ہے، تو پھر ان شعائر اسلامی کو بلکہ بنیادی عقائد تک کو وہ سلام کرتے ہیں، اور ان سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ۔

(سورہ عنکبوت ۔ ۱۱)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے، جب ان کو خدا کے راستے میں کوئی ایذا پہونچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں، جیسے خدا کا عذاب! اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہونچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا جو اہل عالم کے سینے میں ہے، خدا اس سے واقف نہیں؟

اگر وہ نسبت سرخروئی اور سرفرازی کا باعث ہوتی ہے، تو اپنی قدیم تاریخ اپنے اسلاف اور اپنے دورِ ماضی کو یاد دلاتے ہیں، اور کہیں نہ کہیں سے وہ اپنا تعلق نکال لیتے ہیں۔ "وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ" لیکن اللہ تعالیٰ کو حقیقت حال معلوم ہے۔ "أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعَالَمِيْنَ" عام طور پر ان زمانہ سازوں کا انجام برا ہوتا ہے، اور کسی گروہ میں ان کی وقعت نہیں ہوتی اسی لئے فرمایا گیا ہے "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ" شاعر نے شاید اسی موقعہ کے لئے کہا ہے۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مجھے معلوم ہے کہ سنہ ۴۷ء کے مارکاٹ کے زمانے میں کتنے آدمیوں نے اپنی اسلامی وضع قطع اس خطرہ سے تبدیل کر دی کہ اس میں مسلمان سمجھ کر مارے جانے کا خطرہ ہے، اس کے مقابلہ میں قوت ایمانی کا ایک پرانا واقعہ سنئے۔ نصیر خاں بلوچی اور پنجاب کی سکھ حکومت کے درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی ایک موقعہ پر اس جنگ میں نصیر خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے، دو سکھ سپاہی پاس سے گذرے ایک نے چاہا کہ کام تمام کر دیں، اس زمانے کے بلوچی بڑے بڑے بال رکھتے تھے، نصیر خاں کی بھی لٹیں تھیں، دوسرے سکھ نے کہا کہ نہیں نہیں یہ ہمارا بھائی ہے، اس کو نہ مارو جب جنگ ختم ہوئی اور نصیر خاں بلوچی اپنے دارالحکومت میں پہونچا تو اس نے خود بھی

اپنے بال ترشوائے اور پوری قوم کو بال ترشوانے کا حکم دیا، اس نے کہا کہ ان منحوس بالوں نے میرے مسلمان ہونے کے بارے میں شبہہ پیدا کر دیا اور میں شہادت سے محروم رہا، دیکھئے! دونوں ذہنیتوں میں کتنا بڑا فرق ہے؟

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

حضرات!

جب حالات سازگار ہوں اور ہوا موافق چل رہی ہو، جب کسی مسلک پر قائم رہنے پر انعام ملتا ہو اور پھول برسائے جاتے ہوں، جب کسی قوم و جماعت کا ستارۂ اقبال بلند ہو اور اس کا بخت یاور، جب کسی جماعت میں شرکت باعث اعزاز ہو اور سرمایۂ افتخار تو اس وقت اس مسلک پر قائم رہنا اور اس عقیدے کا اظہار کرنا کوئی بہادری اور مردانگی نہیں، لیکن جب حالات ناسازگار ہوں اور باد مخالف تیز و تند چل رہی ہو، جب بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں، جب کسی اصول اور عقیدے کو اختیار کرنا دار و رسن کو دعوت دینے کے مرادف ہو، جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ ہو، اقبال نے اس سے منہ موڑ لیا ہو، اور زمانہ کی نگاہیں اس سے پھری ہوئی ہوں اس وقت اس مسلک پر ثبات و استقامت اور اس جماعت سے انتساب و نسبت بڑے غیر مردوں کا کام اور بڑی وفاداری اور نمک حلالی کی بات ہے ہر بادشاہ اور حکومت کو ایسے ہی

کی بڑی قدر ہوتی ہے، جو اس وقت میدان جنگ میں کھڑا رہے، جب فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور بھگدڑ مچ جاتی ہے، ہر رئیس اور امیر کو انھیں لوگوں کی قدر ہوتی ہے، جو برے وقت میں ان کا ساتھ دیتے ہیں، اور جب ان کے سب پروردہ اور نمک خوار نگاہیں پھیر لیتے ہیں، اور ان سے کترانے لگتے ہیں تو وہ اسی طرح ان کے دامن سے وابستہ اور ان کے دروازے پر ایستادہ رہتے ہیں، اور وہ اسی طرح ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اور آداب بجا لاتے ہیں۔ ایک پرانے رئیس ایک صاحب کا بڑا خیال کرتے تھے، اور ان کو بہت سے مصاحبین اور حضور یوں پر ترجیح دیتے تھے، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ جب ہمارا علاقہ کورٹ ہو گیا تھا تو تنہا یہی شخص تھے جنھوں نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا، حقیقت میں محبت و وفاداری کا امتحان عروج و اقبال کے زمانے میں نہیں، تنزل و ادبار کے زمانے میں ہے، وفاداری اور وابستگی کا ثبوت اس حالت میں نہیں ملتا جب تقرب حاصل ہو، اس وقت ملتا ہے جب کس مپرسی اور بے التفاتی کا معاملہ کیا جائے، اسی سے حضرت کعب ابن مالکؓ کے سچے اور عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے کہ عین اس حالت میں جب رسول اللہ صلعم نے مدینہ کے سارے مسلمانوں کو ان سے ملنے اور بات کرنے کی مخالفت کر دی تھی، اور کوئی ان کی بات کا جواب دینے کا بھی روادار نہیں تھا، حد یہ ہے کہ رفیقۂ حیات کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا، بقول انکے دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر تھی، شہر شہر نہیں قبرستان معلوم ہوتا تھا، اور قرآن کے

انقلاب میں دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تھی، اور ان کا دم گھٹنے لگا تھا، اس وقت غسّان کے بادشاہ (جس کے انعام و اکرام اور سرفرازی کے سارے عرب میں چرچے تھے) کا دعوت نامہ آتا ہے کہ تمہیں اس کس مپرسی میں پڑے رہنے کی ضرورت نہیں تم میرے پاس آجاؤ میں تم کو نہال کر دونگا، وہ بجائے اس خط کا استقبال کرنے کے اور اس موقعہ کو غنیمت سمجھنے کے اس کو قاصد کے سامنے جلتے تنور میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے محبوب کی طرف سے یہ امتحان برداشت کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی مصیبت کے یہ بادل چھٹتے ہیں، اور ان کی اصلاح و تکمیل کے سلسلے میں جتنا وقت ضروری تھا وہ پورا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب شوال ۵ھ میں مدینہ پر قریش نے چڑھائی کی اور چاروں طرف سے مخالفین کی فوجوں [1] کا نرغہ ہوا اور مسلمان مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے، حالت یہ تھی کہ نہ کھانے کا سامان تھا، نہ کہیں سے کمک آنے کی امید، بھوک، سردی، خوف اور سخت مصیبت کا سامنا تھا، قرآن مجید سے بہتر اس کی کوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ	جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف
أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ	سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ	اور دل (مارے دہشت) کے گلوں تک

---

[1] اس کو سیرت کی کتابوں میں [illegible] غزوۂ خندق کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا۔ (سورہ احزاب ۱۰)

پہونچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مونہہ کو آگئے تھے، اس وقت ان لوگوں نے جن کو خدا نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور جن کا خدا کے وعدوں پر یقین تھا، ان کا ایمان اور قوی ہو گیا اور انھوں نے اس صورت حال سے بالکل الٹا نتیجہ نکالا اور اس بیکسی اور بے بسی کو شکست اور نامرادی کی نہیں بلکہ فتح اور کامرانی کی دلیل بنا لیا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (سورہ احزاب ۲۲)

اور جب مومنوں نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور خدا اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔

ان کی دلیل اور منطق یہ تھی کہ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوتا ہے، رات کے اندھیرے سے آفتاب طلوع ہوتا ہے، اور جب زمین بہت پیاسی ہوتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، بعینہ یہی دلیل حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت پیش کی اور اس سے تسکین حاصل کی جب یوسف کے

فراق کے بعد بنیامین و یہوداہ کے فراق کا واقعہ پیش آیا اسی وقت انھوں نے فرمایا کہ۔

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (سورہ یوسف ۸۳)	عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے بے شک وہ دانا اور حکمت والا ہے۔

اور فرمایا۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ (سورہ یوسف ۸۷)	میرے بچو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے کچھ ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی ناامید ہوا کرتے ہیں۔

حضرات!

اسلام پر قائم رہنا، اس سے اپنی نسبت کرنا اور علانیہ اس کے شعائر کا اظہار اس وقت بھی سعادت و فخر کی بات ہے، اور اس میں اس وقت بھی مزا ہے جب حالات اس کے لئے سازگار ہوں اور جب مسلمانوں کی کامیابی کا دور اور دنیا میں اسلام کا دور دورہ ہو اور کسی معاملہ میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا ہو

لیکن امتحان و آزمائش کے موقعہ پر وفاداری اور جاں نثاری میں جو لذت ہے وہ لذت کسی چیز میں نہیں، یہ وہ وقت ہے، جب حق پر قائم رہنے والوں، حق و صداقت کی تبلیغ کرنے والوں، اور اپنے عقیدے و ضمیر کے خاطر مفادات اور اعزازات کی قربانی کرنے والوں کو اس دنیا ہی میں جنت کا مزا آنے لگتا ہے، اور ان کے بدن کے روئیں روئیں سے خدا کی حمد و شکر کا ترانہ بلند ہوتا ہے۔
اقبال نے شاید اسی موقعہ کے لئے کہا تھا۔ ؏

بہشتے بہر ارباب ہمم ہست　　　بہشتے بہر پاکان حرم ہست
بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش　　　بہشتے فی سبیل اللہ ہم ہست

(مرتب ۔ قاضی محمد فاروق بھٹکلی ندوی)